بسم اللہ الرحمن الرحیم

یار بھی راہ کی دیوار سمجھتے ہیں مجھے
میں سمجھتا تھا مرے یار سمجھتے ہیں مجھے

(شاہد ذکی)

محبت بدلتی رہتی ہے

شجاع شاذ

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، چوک اعظم (لیہ) ۔فون:03027844094

محبت بدلتی رہتی ہے

شجاع شاذ

سلام اُردو

استحاق تمام تصرفات ادارہ ’’سلام اُردو ڈاٹ کام‘‘ کی تحویل میں

اہتمامِ اشاعت: اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان

نمودِ اول: 2007ء

نمودِ دوم: 2014ء

Shuja Shaz
(President: Salam Urdu's Bazm-e-Farogh-Adab)
House # 220/26. Tibba Kakkay Zaiyyan
Sialkot. Cell: 0092-321-2336448 0324-5558222
Tel: 0092-523540351

کمپوزنگ: کاشف اقبال

سرورق: ناصر ملک

طباعت: شیرِ ربانی پریس، ملتان

قیمت: 200 روپے (8 یورو، 10 ڈالر)

اہتمام: اردو سخن ڈاٹ کام؛ سلام اُردو پاکستان

بزمِ فروغِ ادب، سیالکوٹ

انتساب

سر شاہد ذکی کے نام

امی اور ڈیڈی کے نام

اپنی چھوٹی گڑیائیں ''اروی'' اور آئمہ شاذ'' کے نام

اور اپنی ''جان جی'' کے نام

میں تو ہر شخص کو سینے میں سمونا چاہوں
آئینہ ہوں پہ کوئی عکس ٹھہرتا ہی نہیں

فہرست

محبتیں

امکان	شاہد ذکی	11
جذبوں کا شاعر	رفیق لودھی	15
تغیر و تبدل کا شاعر	صدیق صائب	18
منتشر کرنے والا شاعر	افضل شریف صائم	21
شاذ کا شعری اثاثہ	ڈاکٹر شیراز مسعود	23
محبت بدلتی رہتی ہے	شجاع شاذ	25

غزلیں

مرا جنوں مری وحشت بدلتی رہتی ہے	28
روشنی کی دکان کیا کرتا	30
اگر میں خواب کی تشکیل تک پہنچ جاؤں	32

روشنی بھی سرِ افلاک مجھے ڈھونڈے گی	34
بجھ گئے سب دیے روشنی رہ گئی	36
سارے تحفے نئے دئیے اس نے	38
قدرت کے امتحان سے ڈر لگتا ہے مجھے	40
تُو سمندر ہے تو پھر ظرف ذرا سا کیوں ہے	42
نام اُس نے لیا دعا میں کہیں	43
کوئی اپنا تلاش کرتا ہوں	45
حاصل ہوا نہ کچھ کبھی تقدیر کے بغیر	47
خزاں کے پاؤں تلے غنچہ و ثمر سے دور	49
تیرے جیسا نہ کوئی اور ملا تیرے بعد	51
ڈھول سے پھول برابر ہوا میں	53
خوش تھا وہ مجھ کو دربدر کر کے	55
شام کے سائے جلتے رہیں گے	57
ایسی پاکیزہ و پُرنور ضیا اس کی ہے	59
اُس نے جب مجھ کو پلٹ کر دیکھا	61
لبوں سے چوم کے گوہر بنا گیا کوئی	63
رات بھر تیری آغوش میں روشنی کا سفر	64
سانس لیتا وہ سمندر موت کا تھا	66
وہ تو مرے پاس سے مرے دل	68
ایک رشتے کو نبھانے کیلئے	70

اب ترے پیار کی تشہیر مرے بس میں نہیں	72
اپنی بانہوں میں سمٹ کر مجھے مر جانے دو	74
یوں مرا جسم مسمار مجھے کرنے لگا	76
آج کے جیسا ترا کل ہو ضروری تو نہیں	78
تعبیر کی شدید اذیت میں مر گیا	79
نگاہِ ہجر میں رنگِ ملال دیکھا ہے	80
اگر قیامِ مسلسل میں وہ ستارا ہے	82
مرے ہم نفس مرے ہم زباں مرے مہرباں	83
تھا شوق بہت مجھ کو رشتوں کی مسافت کا	84
جو جہاں نہیں میرا اس جہاں میں رہنا ہے	86
ایسا لگتا تھا کچھ خفا سا تھا	87
موت راستہ تیرا مختصر نہیں ہوتا	88
خوراک غم کو کر لیا جینے کے واسطے	90
موم کی طرح پگھلتے مرے ساتھ	92
زخم نیا بھی دو تو کیا	93
مجرم بنا دیا مرے حالات نے مجھے	95
مرے لب پہ کوئی گلہ نہیں میں خموش ہوں مجھے رہنے دو	97
کربِ تنہائی میں سمٹی ہوئی چادر کی طرح	98
نئے انداز سے تعمیر مجھے ہونا ہے	99
جانے کیسا ہوا اثر مجھ پر	101

قیدِ موجود و میسر میں نہیں رہنے دیا	103
یوں وقت رک گیا کہ گزارا نہیں گیا	105
بے قرار آنکھ میں بے زار ہیں میرے آنسو	107
کسی چراغ کی لو کی طرح بکھر گیا میں	109
ہم سفر کے نشے میں رہنے دو	110
ہوتی نہیں آنکھوں سے بھی برسات سفر میں	111

اِمکان

ہمارے ہاں کچھ رسوم اور رواج ایسے ہیں جو ہماری خوب صورت تہذیب کو مزید خوب صورت بنانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ یہ الگ المیہ ہے کہ ہم نے ان خوب صورت رسموں اور رواجوں کو دم توڑنے کیلئے چھوڑ دیا ہے جن سے ہماری روحانی تسکین وابستہ ہے اور ان رسوم کو اپنا لیا ہے جو ہمارے جسموں کو حیوانی خواہشات کی طرف مائل کرتی ہیں۔ بہرحال بدصورتی دیرپا نہیں ہوتی۔ بنانے والے نے کائنات کو خوب صورت بنایا ہے تو وہ اس کی آرائش کا سامان بھی پیدا کرتا رہتا ہے۔ جن خوب صورت اور دلکش رسموں کا ذکر میں کر رہا ہوں ان میں ایک انتہائی خوب صورت رسم جو میرے دامن دل کو کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی خاندان میں کوئی بچہ پہلی بار پاؤں پاؤں چلنا شروع کرتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی اور

کامرانی کیلئے تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔اس امید کے ساتھ کہ وہ زندگی کے کٹھن راستوں پر باوقار انداز میں چل سکے اور چوپایوں سے الگ اپنی شناخت برقرار رکھ سکے۔

اس ابتدائی مرحلے میں بچہ کئی بار ڈگمگاتا ہے اور اس کی ایک ایک لغزش پر پیار آتا ہے۔شجاع شاذ بھی ادبی آنگن میں ایک ایسا ہی بچہ ہے جس نے ابھی پاؤں پاؤں چلنا شروع کیا ہے۔لیکن اس کی چال قابل رشک اور لائق تحسین ہونے کے ساتھ ساتھ امید افزاء بھی ہے کہ وہ بہت جلد شہ سواروں کی اس صف میں شامل ہو جائے گا جو ادبی کارواں کی شکل میں میدانِ سخن میں محوِ سفر ہے۔میری یہ تحریر اس کے لیے مبارک باد سے بھرپور کلمات کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

میں شجاع شاذ کی شاعری پر وہ رسمی کلمات نہیں لکھوں گا جو رسمی دیباچہ ساز لکھتے ہیں۔شاید یہی وجہ تھی کہ میں اس کی شاعری پر لکھنے سے احتراز برت رہا تھا لیکن اس کی ضد تھی کہ اگر میں نے اس کی کتاب پر نہ لکھا تو وہ کتاب شائع نہیں کرائے گا۔اور ویسے بھی اس کی کاوش پر اسے مبارک باد نہ دینا یقیناً اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔جہاں تک اس کی شاعری کا تعلق ہے تو میں آپ کے اور اس کی شاعری کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتا۔اس کا فیصلہ آپ خود اپنی عینک سے کریں نہ کہ میری نظر سے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ مجھ پر یہ الزام عائد ہو کہ میں اپنے شاگرد کی ستائش کر رہا ہوں۔

محبت نہ صرف شجاع شاذ کا محبوب موضوع ہے بلکہ اردو غزل کی روحِ رواں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی وہ زینۂ اول ہے جس سے شاعر ادب کی مختلف کہکشاؤں کی طرح گامزن ہوتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ آگے چل کر کون سی کہکشاں کس کو اپنی گرفت میں لے لے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی اجازت نہ دے لیکن محبت کے جذبے سے دانستہ گریز کرنا ہماری جدید شاعری کا وطیرہ بنتا جا رہا ہے جو کہ اطمینان بخش یا باعثِ افتخار عمل نہیں ہے۔اہلِ دل اس بات

سے اتفاق کریں گے کہ محبت ہی وہ واحد جذبہ ہے جو ہمیں تہذیب سکھاتا ہے اور قربانی کے اس جذبہء مقدس سے سرشار کرتا ہے جو کسی اور مخلوق کے حصے میں نہیں آیا۔

اس کتاب کا ٹائٹل ''محبت بدلتی رہتی ہے'' بہت سے قدامت پسندوں کو ناگوار گزرے گا لیکن کیا کیا جائے کہ حقیقت آنکھیں بند کر لینے سے بدل نہیں جاتی۔ جہاں تک میری ذاتی رائے کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ تغیر ہی خوبصورتی کی اصل اساس ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ محبت جیسا عالمگیر جذبہ تغیر کے بغیر خوبصورت رہ سکے۔ بہر حال یہ ایک طویل بحث ہے اور کاذکر کہیں کسی دوسرے موقع پر آجائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ بڑے درخت کے نیچے چھوٹا درخت پروان نہیں چڑھ سکتا لیکن کسی من چلے نے یوں بھی کہا ہے کہ اگر بڑے درخت کے نیچے چھوٹا درخت پروان نہیں چڑھ سکتا تو چھوٹے درخت کے نیچے بھی بڑا درخت نہیں اگ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میرا رویہ میرے شاگردوں کے ساتھ دوستوں جیسا ہے۔ میں تو خود ابھی طالب علمی کے ابتدائی دور سے گزر رہا ہوں، میں استاد کیسے ہوسکتا ہوں؟ شجاع شاذ بھی مرا شاگرد نما دوست یا دوست نما شاگرد ہے۔ وہ مجھے استاد بنانے پر مصر ہے اس کے علاوہ یہاں علی زیرک، رفیق لودھی، صدیق صائب، حافظ بلال، ملک عتیق، عاصم بٹ، سمیرا صبا اور رفعت چوہدری میرے ایسے شاگرد اور دوست ہیں جنہوں نے مجھے اکیلا درخت نہیں رہنے دیا بلکہ ایک باغ بنا دیا ہے اور اس باغ میں ایک ہی موسم ہے اور وہ محبت کا موسم ہے جو کبھی خزاں کا روپ دھار لیتا ہے کبھی بہار کا۔ لیکن اس کی خوب صورتی ہمیشہ پہلے سے فزوں ہو جاتی ہے۔ ان بدلتی ہوئی رتوں میں یہ میرے دوست مجھے تازگی فراہم کرتے ہیں۔ ان کی جڑوں سے میری جڑوں کو تقویت ملتی ہے اور ان کے اثمار میری شاخوں کو مزید پرکشش بناتے ہیں۔ خدا کرے اس باغ میں نئے پودے اگتے رہیں اور مسافرانِ ادب کی تسکین طبع کا سامان کرتے رہیں۔ میں نے ابتدائی سطور میں

اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ شجاع شاذ ادبی دنیا میں ایک نوارد ہے۔اس نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھ لیا ہے اور یہیں کہیں اس کی مسافت کا آغاز ہے۔ یہ کتاب ایک پڑاؤ ہے، اس کی منزل نہیں ہے۔ابھی وہ صحنِ ادب میں چمک رہا ہے۔ابھی اس کو اس صحن سے باہر نکلنا ہے جہاں گلیاں سڑکوں سے جا ملتی ہیں اور سڑکیں سرسبز کھیتوں سے ہوتی ہوئی سمندروں اور صحراؤں کی طرف جاتی ہیں۔ابھی اس کی مسافت ان حیرتوں سے آشنائی کے آغاز میں ہے جو سچے اور سُچے ادب کی ترجمانی کرتی ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کا آنے والا کل اس آج سے کہیں زیادہ ثمر آور ہوگا اور وہ سارے خواب اور امکانات حقیقت اور تعبیر سے مزین ہوں گے جو اس کے آج کے آئینے سے جھلک رہے ہیں۔قارئین سے ملتمس ہوں کہ آپ اس کتاب کو محبت سے پڑھیں اور اگر کسی ایک شعر میں آپ کو اپنا عکس نظر آ جائے تو یقین کیجئے گا کہ وہ آپ کی مکمل تصویر بنانے پر قدرت رکھتا ہے اور بہت جلد وہ اس منصب پر فائز ہوگا جہاں فوٹو گرافر نہیں، مصور براجمان ہوتے ہیں۔

شاہد ذکی

28 ستمبر 2006ء

جذبوں کا شاعر

شجاع شاذ ایک ایسا شاعر ہے جو کائنات کو خوبصورت دیکھنے کا خواہش مند ہے۔اس کے ہاں خواہش عجیب انگڑائی لیتی ہے۔کبھی تو وہ انسانی رویوں پر بہت دکھ کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے تو وہ کرب سے کہتا ہے کہ"محبت بدلتی رہتی ہے"اور اس نے اپنی کتاب کا نام بھی یہی رکھا ہے۔وہ معاشرے میں رہتے ہوئے بھی معاشرے سے کٹا ہوا فرد نظر آتا ہے۔وہ انسان کے رویے اور محبت کے مدو جزر کو دیکھتے ہوئے بڑے کرب کا اظہار کرتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ شجاع شاذ رازِ حیات پا گیا ہے۔رہی بات"محبت بدلتی رہتی ہے"کی تو سچ یہی ہے کہ محبت بدلتی رہتی ہے۔

یہ بھی عجیب راز ہے ہر کسی پر منکشف نہیں ہوتا۔شجاع شاذ اس کیفیت سے گزرا ہے تو اس نے جانا کہ رویوں میں تبدیلی کیوں آتی ہے۔بلکہ یوں کہ محبت کے ساتھ ساتھ رویوں میں

تبدیلی کیوں آتی ہے۔

شجاع شاذ محبت کی ایک حالت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ محبت کو بدلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے اس کے ہاں متضاد تخیل جنم لیتے ہیں اور وہ بڑے کرب کے ساتھ اظہار کرتا ہے۔ شعر دیکھئے۔

مرا جنوں مری وحشت بدلتی رہتی ہے
ترے مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے
مجھے یہ غم نہیں کوئی نہیں ہے ساتھ مرے
مجھے یہ غم ہے محبت بدلتی رہتی ہے
کنول کا بیج ہوں اور خاک پر پڑا ہوا ہوں
دعا کروں میں کسی جھیل تک پہنچ جاؤں

میں سمجھتا ہوں کہ شاذ کے ہاں وحشت کے بارے میں بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ محبت اور وحشت کا بدلنا ایک ارتقائی عمل ہے اور شجاع شاذ نے اس سارے عذاب و کرب کو بڑی خوب صورتی سے شعروں کے پیکر میں ڈھالا ہے۔

اور اسی لیے تو میں اسے جذبوں اور خواب و خواہش کا شاعر کہتا ہوں۔ شاذ کے ہاں سخن کے کئی چشمے ہیں اور اس نے ان کو جھیل سے ہم کنار کیا ہے اور اس نے جھیل میں کئی بیج بوئے ہیں جو پہلے کہیں خاک پر پڑے ہوئے تھے۔ اور اب وہی بیج وا ہو کر کنول کھلے ہیں۔ میں جب بھی شجاع شاذ کا چہرہ دیکھتا ہوں تو یہ کنول اور بھی خوب صورت لگتے ہیں۔۔۔ شجاع شاذ کی شاعری پر میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر پھر کبھی اس وقت نہیں سمجھتا ہوں اگر شجاع شاذ اسی طرح کنول کے بیج بوتا رہا تو یقیناً وہ سارے میں پھیلے ہوئے پانی میں کنول ضرور کھلاتا رہے گا۔ اُس کی اِس خواہش پر میں بہت خوش ہوں اور شجاع شاذ اگر اس ہنر سے روشناس ہو گیا

ہے تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کے کنول پھول ضرور کھلاتا رہے گا۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ شجاع شاذ کی جھیل ہمیشہ رواں دواں رہے۔ اور ایک دن یہی جھیل ایک سمندر میں بدل جائے اور پھر شاذ ہر طرف مسکراتا ہوا نظر آئے۔

(آمین)

رفیق لودھی

8 ستمبر 2006

تغیر وتبدل کا شاعر

شاذ جیسے لوگ شاذ ہی ہوا کرتے ہیں کہ جو کسی کام کا ارادہ کر لیں تو اسے مکمل کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ یوں بھی اگر کسی کام کا عزم مصمم کر لیا جائے تو اس کے آغاز ہی سے اس کی تکمیل کے اشارے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ شاعری ایک تخلیقی عمل ہے جس میں آورد سے زیادہ آمد کو دخل ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص ارادتاً بھی اس وقت تک اچھا شعر نہیں کہہ سکتا جب تک کہ قدرت اس پر مہربان نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اچھے شعر کا خیال شاعر کے دل میں اچانک پیدا ہوتا ہے جس کے بعد وہ اس کی ترتیب وتہذیب کے ارادے کے ساتھ مناسب الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کچھ اشعار کہے نہیں جاتے بلکہ وہ سرزد ہو جاتے ہیں۔

ہمارے شاذ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے کہ ایک دن اچانک اس کے دل میں

شعر کہنے کا خیال پیدا ہوا تھا کہ اس نے اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ ضرور شاعری کرے گا۔شاعری اس پر کب طاری ہوئی اس کا اندازہ تو اسے ہی ہوسکتا ہے۔لیکن جہاں تک میرے مشاہدے کی بات ہے تو میں نے کسی کو بھی اتنے محدود عرصے میں اس فن میں اس قدر کامیابی حاصل کرتے نہیں دیکھا جتنی شاذ کے حصے میں آئی۔یقیناًاس کے پیچھے اُس کی سچی لگن اور اس کی مربی جناب شاہد ذکی کی کامل راہنمائی کارفرما ہے۔

''محبت بدلتی رہتی ہے'' شجاع شاذ کا پہلا مجموعہ ہے اور یہ اس کی شاعری کے لیے سنگِ میل کی حیثیت بھی رکھتا ہے اور بقولِ شاہد ذکی کامیابی کا زینہ اول بھی ہے۔جس کی بنا پر وہ نہ صرف اپنی شاعری کے لیے ایک واضع سمت متعین کرسکتا ہے بلکہ اپنی منزل کے حصول کے لیے باقاعدہ اور پرعزم سفر کا آغاز بھی کرسکتا ہے۔اس مجموعے میں شامل کتنی ہی غزلیں ایسی ہیں جو شاذ نے کہی نہیں بلکہ اس سے سرزد ہوئی ہیں اور یقیناً یہی وہ غزلیں ہیں جنہوں نے شاذ کو اس مجموعہ غزل کی اشاعت کا فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔

شجاع شاذ کی شاعری میں تغیر وتبدل کو بہت اہمیت حاصل ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہی تغیر وتبدل کائنات کے فطری حسن میں نکھار پیدا کرتا ہے۔لیکن اسی کائنات میں کچھ چیزیں اور رشتے ایسے ہیں جن سے انسان ہمیشہ یہی توقع کرتا ہے کہ وہ اپنی یکسانیت کو برقرار رکھیں۔جیسے سورج سے ہمیشہ روشنی ہی کی توقع کی جاتی ہے اور ماں سے ہمیشہ محبت ہی کی اُمید کی ہوتی ہے۔اسی طرح شاذ بھی اسی بات کا قائل ہے کہ جن لوگوں سے ہمیں ایک بار محبت نصیب ہوئی ہو ان سے ہمیں ہر بار محبت ہی ملنی چاہیے۔لیکن جب لوگوں کے رویوں میں ذرا سا بھی تغیر پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

مجھے یہ غم نہیں کوئی نہیں ہے ساتھ مرے
مجھے یہ غم ہے محبت بدلتی رہتی ہے

یہاں پہ کون کس کا یقیں کرے کہ یہاں
قدم قدم پہ حقیقت بدلتی رہتی ہے

ان رویوں کی تبدیلی پر تاسف اور مایوسی کا اظہار شاذ کی شاعری کا لازمی جزو ہے۔ دعا گو ہوں کہ اس کی شاعری معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کا باعث بنے اور اسے قبولیتِ دوام حاصل ہوا۔

صدیق صائب

منتشر کرنے والا شاعر

"محبت بدلتی رہتی ہے" اپنے شجاع کا یہ شعری مسودہ جب تلک مرے ہاتھ میں بند تھا مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی روائتی محبت اور اس کے بدلنے کا تذکرہ ہوگا لیکن اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ شجاع دو دلوں کی محبت کا تذکرہ نہیں بلکہ لفظِ محبت پر بحث کر رہا ہے جو اپنے اندر بہت وسعت لئے ہوئے ہے۔ شجاع کی غزل پڑھتے ہوئے مرا ذہن یوں منتشر ہونے لگا جیسے کسی خاموش تالاب میں کنکر پھینک دیا گیا ہو۔ محبت کی وہ ساری باتیں یاد آنے لگیں جو کسی نہ کسی حوالے سے مرے ذہن پر نقش تھیں یا ہیں۔ مجھے خلیل جبران کی کچھ کچھ باتیں وہ یاد آئیں جو کہ محبت بدلتی رہتی ہے کے فلسفے پر صادق آتی ہیں کہا گیا کہ

"محبت جب تمہیں اپنے پروں میں لپیٹ لے تو لپٹ جاؤ، اور اس تلوار کی نوک کو

بھول جاؤ جو پردوں میں پوشیدہ ہے۔محبت کی آواز کا یقین کرو خواہ وہ آواز تمہارے خوابوں کو منتشر کر دے۔محبت اسی سر پر تاج رکھتی ہے جس کو سولی چڑھا دیتی ہے۔محبت تمہیں عریاں کرنے کے لیے اس طرح جھاڑتی ہے جس طرح شاخیں دانہ نکالنے کے لیے جھاڑی جاتی ہیں۔محبت قبضہ نہیں کرتی نہ قبضہ کرنے دیتی ہے اس لئے کہ محبت خود بھی اپنے لیے بے بس ہے۔''محبت تم کو کچھ نہیں دیتی سوائے اپنے۔محبت تم سے کچھ نہیں لیتی سوائے اپنے'' مجھے یقین ہے کہ اس خوبصورت شعری مجموعے کو پڑھتے ہوئے ہر وہ شخص جس نے محبت کی ہے ایک بار ضرور منتشر ہوگا۔چند ساعتوں کے لیے ہی کیوں نہ ہو اور محبت تو ہر شخص کرتا ہی ہے۔

افضل شریف صائم

شاذ کا شعری اثاثہ

"محبت بدلتی رہتی ہے" کا دعویدار، رومانوی اور روحانی امتزاج لیے یہ شجاع شاذ ہے جس نے اپنے جذبات کو شعری پیراہن میں اجاگر کیا ہے۔

دل تو خالی ہے تری یاد سے پہلے کیسے
کوئی آسیب بھی تو گھر میں نہیں رہنے دیا

اداسی، مایوسی، کسک، قلندری اور دعا اس کے کلام کے نایاب اجزا ہیں۔

یہ ایک ایسا کنول ہے جس کو بیج کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی جھیل کی۔ میں شجاع کے شعر کی تفریق نہیں کر رہا بلکہ اس بات کو ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ ایسے کنول جا بجا کھل اٹھتے ہیں جہاں شجاع کی شاعری ڈیرے ڈالتی ہے۔ کیونکہ اس میں مٹی، ہوا اور پانی جیسے عناصر و عوامل وافر مقدار میں موجود ہیں۔ اور جب یہ کنول کھل اٹھتے ہیں تو ہر قاری اس کی

رعنائیوں میں کھو جاتا ہے۔

اس شاعر کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں، ایک اچھا محقق بھی ہے اور تحقیق کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے۔

بقول شجاع شاذ

وقت جیسا بھی تراشے کا پتھر
نقش تیرے نکلتے رہیں گے

مجھے امیدِ صادق ہے کہ ”محبت بدلتی رہتی ہے“ آپ پر انمٹ نقوش ثبت کرے گی کیونکہ وقت شاذ نے اس زندگی کے پتھر کو فیض الٰہی سے تراشا ہے جس میں تحقیق حقیقی و مجازی دونوں شامل ہیں۔

ڈاکٹر شیراز مسعود

سیالکوٹ

8-6-2014

محبت بدلتی رہتی ہے

مجھ جیسا شخص جو اندھیرے کا ہاتھ تھامے ہوئے زندگی کا سفر کر رہا تھا اُس کی منزل اندھیرے کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ یوں تو روشنی کے کئی ہاتھ میری راہ میں آئے، آگے بھی بڑھے مگر ان ہاتھوں نے میرے ہاتھ کو تھاما نہیں۔ جیسے ہزار روشن دیئوں میں ایک بجھا ہوا دیا نمایاں نظر آتا ہے سو میں بھی اندھیرے کا ہاتھ تھامے رہا۔لیکن مجھے بھی نمایاں ہونا تھا اور پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ایک ایک کر کے روشن دیا اندھیرے میں ڈھلنے لگا تب مجھے خود سے وحشت ہونے لگی۔

”میں نے جب بھی محبت کا اظہار کیا۔محبت کو حاصل کرنا چاہا۔ناکام ہوا مجھے ہار ہی ملی جیسے جذبات کی کائنات میں میرا وجود کسی بلیک ہول کی مانند ہے۔میں اپنے جنون پر مان کرتا تھا۔اور خود ہی اپنے جنون سے ڈرتا بھی تھا۔شائد اسی لیے میرے جنون کو میرے اندر ہی دفن کر دیا گیا۔دل دم توڑتی خواہشوں کا اک قبرستان اور میں گورکن بن کر رہ گیا۔میرے دل

کی زمین بانجھ ہو کر رہ گئی۔ جیسے اس میں اب کوئی محبت کا پھول نہیں کھلے گا کوئی محبت کا بیج وا نہیں ہوگا۔اور یہ سب محبت کے بدلنے سے ہوا۔ رویوں کے بدلنے سے ہوا۔ کیونکہ محبت بانٹنے والا اس کو بدلتے ہوئے کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ پھر اچانک ایک ہاتھ آسماں کی جانب اٹھااور اس نے اپنی دعا کو آسماں کی جانب اچھالا جو دیکھتے ہی دیکھتے آسماں پر پھیل گئی پھر نور کی کرنوں کی طرح میرے بجھے ہوئے دل پر برسنے لگے۔

پھر ایک دوست کی محبت بنی اور عشق کے جلو میں سفر کرتے ہوئے جب دل کی زمین پر اتری تو اس کے قدموں کے لمس سے اندھیرا الجھنے لگا۔اور پھر ہر طرف روشنی ہوگئی۔محبت کے بیج وا ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے پھول کھلنے لگے۔ دل محبت کے ساز پر رقص کرتا ہوا دھڑکنے لگا۔ میں پھر سے جینے لگا اور اس دنیا سے نظریں چرانے لگا جہاں محبت بدلتی ہے۔ یہاں صرف ظاہر کو مانا جاتا ہے باطن تک کسی کی رسائی نہیں مگر ماضی کہاں ساتھ چھوڑتا ہے۔اندھیرا بانٹنے والا روشنی کو عام کرے کوئی کیسے تسلیم کرسکتا ہے اس طرح کون جیا ہے ایسے کون مرسکتا ہے سو سب نے بغاوت کی۔ یہ دیکھ کر یہ سوچ کر آج بھی جینے کو من نہیں کرتا مگر اس دوست کی دعا جس سے یہ دل محبت کے پاکیزہ جذبے سے منور ہوا، جینے پر اکساتی ہے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں، آپ ہی بتاؤ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہم دوسروں کے لیے تو راہیں متعین کرتے ہیں مگر جب خود پر وقت آتا ہے تو سب فیصلے بدل دیتے ہیں۔کوئی کسی کے جذبات کو کچلتا ہے تو ہم احتجاج کرتے ہیں اور جب خود کسی کے جذبات کو کچلتے ہیں تو کسی احساس کو بھی پاس نہیں پھٹکنے دیتے بے حس ہو جاتے ہیں ایسا کیوں؟

پھول اپنی خوشبو کے لیے کیوں نہیں بکھر سکتا؟ خوشبو ہوا کا محتاج کیوں ہے؟ پانی پہاڑوں کو تو توڑ سکتا مگر خود سے لڑتا ہے تو ایک کیوں ہو جاتا ہے؟ بادل برستے ہیں تو بدلتی

رتوں کو زمیں میں دفن کیوں نہیں کرتے؟ منزل دور جانے کے بجائے پاس بھی تو آ سکتی ہے، آدمی کامیابی کا ہاتھ تھام کر بھی اس سے دور کیوں رہتا ہے روشنی اندھیرے میں کیوں دفن ہوتی ہے؟ اندھیرا روشنی کو کیوں جنم دیتا ہے؟ ہوا آگ کو جلاتی ہے پانی اس کو چھپاتا ہے مٹی خود میں سمو لیتی ہے کیوں؟ آخر کیوں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے محبت کے رنگ کیوں بدل دیئے جاتے ہیں؟ جن کا اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہیں وہ دوسروں کی زندگی اپنی مرضی سے کیوں بدلنا چاہتے ہیں؟

جس کی دعا سے محبت کا بیج آج تک ایک مضبوط شجر ہے جس کی محبت سے سانس چل رہی ہے یہ دل دھڑک رہا ہے میں اُس کے ساتھ جی نہیں سکتا اس کا نام لینے سے قاصر ہوں اُس کا نام لے نہیں سکتا صرف اس لیے کہ پھر اُس کی عزت کو پامال کیا جائے گا۔ اور جب وہ محبت کو بدلتا دیکھے گی تو برداشت نہیں کر سکے گی۔ اُس سے برداشت نہیں ہو گا ''رشتوں کا رویوں کا محبت کا بدلنا'' میں کیسے کہہ سکتا ہوں میں کیسے اُس دوست کا نام لے سکتا ہوں کیونکہ میں تو اس کرب سے گزر چکا ہوں، میں کئی بار مر چکا ہوں۔''

شجاع شاذ

مرا جنوں مری وحشت بدلتی رہتی ہے
ترے مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے

مجھے یہ غم نہیں کوئی نہیں ہے ساتھ مرے
مجھے یہ غم ہے محبت بدلتی رہتی ہے

یہاں پہ کون کسی کا یقیں کرے کہ یہاں
قدم قدم پہ حقیقت بدلتی رہتی ہے

میں آئنہ بنا تو پھر کسی کا بھی نہ ہوا
کہ آئنے میں تو صورت بدلتی رہتی ہے

کبھی سحر تو کبھی رات بن کے آتی ہے
دیارِ شر میں قیامت بدلتی رہتی ہے

مجھے یہ ڈر ہے کہیں میں خدا نہ کہہ دوں تجھے
کہ آدمی کی تو نیت بدلتی رہتی ہے

وصال دیر تلک ایک سا نہیں رہتا
کہ اِس شراب کی لذت بدلتی رہتی ہے

گِلہ نہیں مجھے قسمت سے اس لیے بھی شاذ
میں جانتا ہوں کہ قسمت بدلتی رہتی ہے

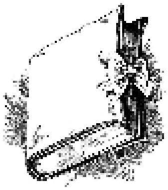

روشنی کی دکان کیا کرتا
میں سرِ آسمان کیا کرتا

سوچنے سے جو مل گیا ہے مجھے
اُس کی خاطر اُڑان کیا کرتا

دیکھنے سے نکل پڑا چشمہ
توڑ کر پھر چٹان کیا کرتا

آسماں ہے زمیں کے ہونے سے
ورنہ یہ آسمان کیا کرتا

دھوپ اب کے زمیں سے نکلی تھی
مہرباں سائبان کیا کرتا

میری آنکھوں میں عکس تھا اُس کا
فاصلہ درمیان کیا کرتا

میں نے خیمہ بنا لیا ہے شاذؔ
دشت میں بادبان کیا کرتا

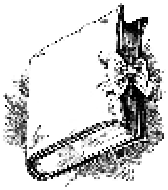

اگر میں خواب کی تشکیل تک پہنچ جاؤں
تو کائنات کی تکمیل تک پہنچ جاؤں

کنول کا بیج ہوں اور خاک پر پڑا ہوا ہوں
دعا کرو میں کسی جھیل تک پہنچ جاؤں

بُلند ہوتی ہوئی خاک کی تمنا ہے
میں آسمان کی تحویل تک پہنچ جاؤں

میں بے نیاز ہوں تجھ سے وگرنہ چاہوں تو
تری خموشی سے تفصیل تک پہنچ جاؤں

میں آفتاب پہ چلتا ہوں اور سوچتا ہوں
تمہارے حُسن کی قندیل تک پہنچ جاؤں

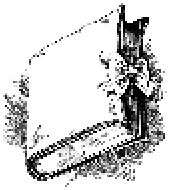

روشنی بھی سرِ افلاک سے مجھے ڈھونڈے گی
میں اگر خاک ہوا خاک مجھے ڈھونڈے گی

غرق ہو جاؤں گا میں اپنے ہی اشکوں میں اور
تُو پسِ دیدہءِ نمناک سے مجھے ڈھونڈے گی

اب تو یہ مہر و مہ و گُل ہیں گریزاں مجھ سے
میں نہ ہوں گا تو یہ املاک مجھے ڈھونڈے گی

پھول بن کر میں کھلوں گا کسی پتھر اندر
آگ مثل خس و خاشاک مجھے ڈھونڈے گی

جب کوئی اور بدن پورا نہیں آئے گا
مجھ سے بچھڑی ہوئی پوشاک مجھے ڈھونڈے گی

اُس جگہ میں نہیں ہوں گا مرا سایہ ہو گا
جس جگہ ساعتِ سفاک مجھے ڈھونڈے گی

میں کہ گنجینۂ گُم گشتہ ہوں اس کا ہی شاذؔ
جب بھی ہو گا اُسے ادراک مجھے ڈھونڈے گی

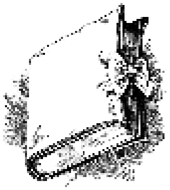

بُجھ گئے سب دیئے روشنی رہ گئی
موت مرنے لگی ، زندگی رہ گئی

انتہا کا ہمیں موت سے پیار تھا
زندگی بھی ہمیں دیکھتی رہ گئی

سب سمندر مرے دشت میں ڈھل گئے
تشنگی پاس تھی ، تشنگی رہ گئی

وہ مری آنکھ کا نور تھا اِس لیے
جب گیا چھوڑ کر تیرگی رہ گئی

زندگی کا اچانک سبب مل گیا
دل میں ہی خواہشِ خودکشی رہ گئی

راستے میں سبھی چھوڑ کر چل دیئے
شاذؔ کے ساتھ آوارگی رہ گئی

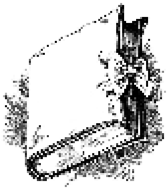

سارے تحفے نئے دیئے اُس نے
زخم چُن کر مجھے دیئے اُس نے

آنکھ کو آنسوؤں کی رونق دی
دشت کو قافلے دیئے اُس نے

ایک منزل نہ دے سکا لیکن
اَن گِنت راستے دیئے اُس نے

مجھ کو دنیا پہ حکمرانی دی
اور پھر ضابطے دیئے اُس نے

ہر سمندر سے دور اِک صحرا
پیاس کو فاصلے دیئے اُس نے

زندگی کی پہیلی اُلجھا کر
سوچ کو زاویے دیئے اُس نے

شاذؔ تنہائی چھین کر میری
رشتوں کے دائرے دیئے اُس نے

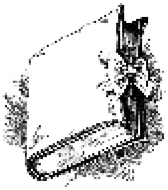

قدرت کے امتحان سے لگتا ہے ڈر مجھے
برسات میں مکان سے لگتا ہے ڈر مجھے

کرتا ہوا شکار نہ ہو جاؤں خود شکار
ٹوٹی ہوئی کمان سے لگتا ہے ڈر مجھے

ہر زخم کے نشان میں اِک داستان ہے
ہر زخم کے نشان سے لگتا ہے ڈر مجھے

میرے پروں کو تیرا سہارا ضروری ہے
تیرے بنا اُڑان سے لگتا ہے ڈر مجھے

میرے تمام راز کسی پر نہ کھول دے
خاموشی کی زبان سے لگتا ہے ڈر مجھے

مالک الگ جہان بنا دے مرے لیے
مالک ترے جہان سے لگتا ہے ڈر مجھے

مجھ کو بھی کوئی شاذؔ نہ لے جائے شاخ سے
پھولوں کی ہر دکان سے لگتا ہے ڈر مجھے

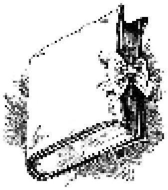

تُو سمندر ہے تو پھر ظرف ذرا سا کیوں ہے
دل ترے قرب میں رہتے ہوئے پیاسا کیوں ہے

جب مری پیاس کا حق ہی نہیں تجھ پر کوئی
تیری برسات کے لہجے میں دلاسا کیوں ہے

میں اُسے روکنا چاہوں تو نَفَس رک جائے
سوچتا ہوں کہ مزاج اُس کا ہوا سا کیوں ہے

شاذؔ بینائی مری چھین کے جو لے گیا تھا
پوچھتا ہے کہ مرے ہاتھ میں کاسہ کیوں ہے

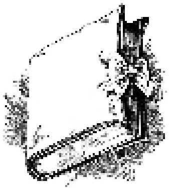

نام اُس نے لیا دعا میں کہیں
میں بھٹکتا رہا خلا میں کہیں

سانس لیتا ہوں خون جلتا ہے
آگ شامل نہ ہو ہوا میں کہیں

آخر آنا پڑا زمیں پہ مجھے
آشیانہ نہ تھا فضا میں کہیں

سب سے میرا نباہ مشکل تھا
بے وفائی بھی تھی وفا میں کہیں

اُس کی زلفوں کے سائے میں تھا شاذ
جیسے اک دشت ہو گھٹا میں کہیں

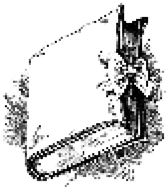

کوئی اپنا تلاش کرتا ہوں
تیرے جیسا تلاش کرتا ہوں

چُھو کے گزرا جو نقشِ پا تیرے
میں وہ جھونکا تلاش کرتا ہوں

چاند تاروں میں اور سورج میں
اپنا سایہ تلاش کرتا ہوں

جانتا ہوں کوئی نہیں منزل
یوں ہی رستہ تلاش کرتا ہوں

ڈوب کر میں ترے سمندر میں
ایک صحرا تلاش کرتا ہوں

توڑ کر شاذ آئنہ اکثر
اپنا چہرہ تلاش کرتا ہوں

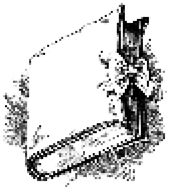

حاصل ہوا نہ کچھ بھی تقدیر کے بغیر
مجھ کو ملے تھے خواب بھی تعبیر کے بغیر

کیا جانیے کہ کتنا پریشاں کیا مجھے
اُس خواب نے جو مجھ میں تھا زنجیر کے بغیر

میں چاہتا تھا جیت لے وہ زندگی کی جنگ
میدان میں کھڑا تھا میں شمشیر کے بغیر

میری خموشیوں سے مرا حال جانتا
پہچانتا کوئی مجھے تصویر کے بغیر

کچھ اس لیے بھی آنکھ ترے بعد بجھ گئی
جلتا نہیں دیا کوئی تنویر کے بغیر

خزاں کے پاؤں تلے غنچہ و ثمر سے دور
جو شاخ ٹوٹ گئی ہو گئی شجر سے دور

کوئی پرندہ ٹھکانہ تلاش کرتا ہے
اور ایک ہم کہ رہے ساری عمر گھر سے دور

تری اُداسی ہمیں زنگ کرتی جاتی ہے
تمام رنگ یہ کہہ کر ہوئے سحر سے دور

عجیب طرح کی زنجیرِ وعدہ پاؤں میں تھی
سفر پسند مسافر رہا سفر سے دور

جو دکھ ملے تو کوئی آسرا نہیں ملتا
کنارا ہوتا ہے اکثر یہاں بھنور سے دور

میں گردِ رہ کی طرح اُس کے ساتھ تھا شاذؔ
بڑے جتن سے ہوا وہ مری نظر سے دور

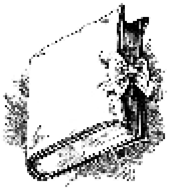

تیرے جیسا نہ کوئی اور ملا تیرے بعد
ہو گیا ہوں میں جُدا سب سے جُدا تیرے بعد

میرے ہونٹوں پہ ہے بس ایک دعا تیرے بعد
مہرباں مجھ پہ بھی ہو جائے قضا تیرے بعد

لوگ کہتے ہیں تُو اب ساتھ نہیں ہے میرے
کون کرتا ہے یہ پھر میری دوا تیرے بعد

مجھ کو تو ہوش نہیں کوئی کہاں کب روٹھا
کہتے ہیں روٹھ گیا مجھ سے خدا تیرے بعد

دھڑکنیں بھی مرے ہونٹوں کی طرح گُم صُم ہیں
کوئی سنتا نہیں اب میری صدا تیرے بعد

تُو محبت کا خدا کہتی تھی مجھ کو پھر بھی
میں تو پتھر ہی رہا جیسے رہا تیرے بعد

مجھ کو احساس نے تیرے کہاں مرنے دیا تھا
روز اک زخم کھُلا مجھ پہ نیا تیرے بعد

شاذؔ مرتے ہوئے اُس کے لیے کچھ ایسا کر
ذکر اُس کا رہے دنیا میں سدا تیرے بعد

دھول سے پھول برابر ہوا میں
اُس کے قدموں پہ نچھاور ہوا میں

میں مجاور ہوں اُسی ہستی کا
جس کے چُھونے سے قلندر ہوا میں

کئی صحرا مجھے پینے آئے
قطرہ قطرہ جو سمندر ہوا میں

پس طبیعت میں نہیں ٹھہراؤ
گھر کے ہوتے ہوئے بے گھر ہوا میں

یاد رکھنا مجھے اُتنا مشکل
جتنی آسانی سے ازبر ہوا میں

چُھپ گئے عیب مرے بھی سارے
تیرے دربار کی چادر ہوا میں

شاذؔ ٹھوکر بھی ہے اعزاز مرا
اس کے رستے کا جو پتھر ہوا میں

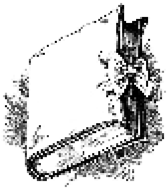

خوش تھا وہ مجھ کو دربدر کر کے
مطمئن میں بھی ہوں سفر کر کے

یاد بن کر لہو سے گزرے ہو
رکھ گئے ہو مجھے کھنڈر کر کے

پیار کر کے مجھے تباہ کیا
یعنی کاٹا مجھے شجر کر کے

میں سمجھتا تھا تیری منزل ہوں
تُو بھی گزرا ہے رہ گزر کر کے

اپنا حاصل ہے صرف محرومی
انتظار اُس کا عمر بھر کر کے

شاذؔ توڑا طلسمِ شب کس نے
بُجھ گیا کون یہ سحر کر کے

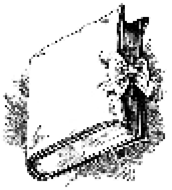

شام کے سائے جلتے رہیں گے
یوں ہی سورج پگھلتے رہیں گے

دل میں بس اک اُداسی رہے گی
یوں تو موسم بدلتے رہیں گے

کر کے روشن ترے راستوں کو
ہم اندھیروں میں چلتے رہیں گے

عشق کی آگ ایسی لگی ہے
موم بن کر پگھلتے رہیں گے

وقت جب بھی تراشے گا پتھر
نقش تیرے نکلتے رہیں گے

درد سینے میں ہے شاذؔ جب تک
زخم لفظوں میں ڈھلتے رہیں گے

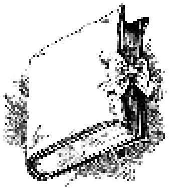

ایسی پاکیزہ و پُرنور ضیا اُس کی ہے
جس سے مہتاب بھی شرمائے حیا اُس کی ہے

وہ مرے تن میں مرے من میں سمائی ہوئی ہے
میری وحشت میں محبت میں ادا اُس کی ہے

لمس ہاتھوں کا ابھی تک مرے ہاتھوں میں ہے
میرے ہاتھوں میں یہ خوشبوئے حنا اُس کی ہے

اس محبت نے اَمر کر دیا ہے مجھ کو بھی
کون کہتا ہے محبت میں فنا اُس کی ہے

میں جو مرتا ہوں تو مرتا ہوں اُسی کی خاطر
اور زندہ ہوں تو اِس میں بھی دعا اُس کی ہے

شاذؔ خاموش نہیں محو ہوں دھڑکن میں کہیں
دل دھڑکتا ہے تو لگتا ہے صدا اُس کی ہے

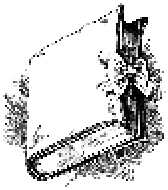

اُس نے جب مجھ کو پلٹ کر دیکھا
راستوں نے بھی سمٹ کر دیکھا

راکھ ہی راکھ نظر آتی ہے
جب بھی ماضی کو اُلٹ کر دیکھا

وہ مرے تن کی قبا بن نہ سکی
دشت کی دھول میں اَٹ کر دیکھا

مختلف وہ نظر آیا مجھ کو
بھیڑ سے جب اُسے ہٹ کر دیکھا

شاذؔ سب خواب مرے جلنے لگے
رات تاروں سے لپٹ کر دیکھا

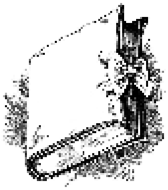

لبوں سے چُوم کے گوہر بنا گیا کوئی
میں خاک تھا مجھے پتھر بنا گیا کوئی

ہوا گزر رہی تھی اشک کو مسلتے ہوئے
کسی کے درد کو منظر بنا گیا کوئی

رات پھر تیری آغوش میں روشنی کا سفر
کر رہا ہے ستارہ مرا زندگی کا سفر

دشت کے دشت پیتا ہے یہ پھر بھی پیاسا ہے یہ
ختم کب ہوگا اِس بحر کی تشنگی کا سفر

دھول میں سب ملا کر گئے سب لُٹا کر گئے
لوگ آئے تھے کرنے یہاں بندگی کا سفر

لُٹ گئی میری حیران آنکھوں کی دنیا تو پھر
اشک چُپ چاپ کرتے رہے خامشی کا سفر

اُس کے ہمراہ چلتے ہوئے خوف سا دل میں تھا
روشنی کے جَلُو میں کیا تیرگی کا سفر

خواب آنکھوں میں رلتے ہیں شاذؔ اس طرح، جس طرح
اجنبی راستوں پہ کسی اجنبی کا سفر

سانس لیتا وہ سمندر موت کا تھا
ڈوبتے سورج میں منظر موت کا تھا

بین کرتی تھیں مری تنہائیاں بھی
میں جہاں رہتا تھا وہ گھر موت کا تھا

کائناتیں مجھ میں گُم ہونے لگی تھیں
ایک سناٹا سا اندر موت کا تھا

پی لیا تھا زہر رس اُس سیپ نے بھی
پیٹ میں اب اس کے گوہر موت کا تھا

زندگی جس پر سکوں سے سو رہی تھی
مجھ کو حیرت ہے وہ بستر موت کا تھا

شاذؔ کیا بنتا کسی کی زندگی میں
جو ملا مجھ کو مقدر موت کا تھا

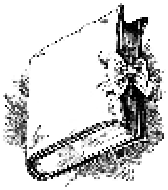

وہ تو مرے پاس ہے مرے دل
تُو پھر بھی اُداس ہے مرے دل

دکھ اُس سے چُھپا نہیں رہے گا
وہ چہرہ شناس ہے مرے دل

اُس کی وفا ساتھ چل رہی ہے
یا میرا قیاس ہے مرے دل

تُو دکھ سے لپٹ لپٹ رہا ہے
کیا تجھ کو یہ راس ہے مرے دل

صحرا ہے غموں کا شاذؔ جس میں
اک آگ سی پیاس ہے مرے دل

ایک رشتے کو نبھانے کے لیے
خون دیتا ہوں جلانے کے لیے

اشک آنکھوں میں سجا لایا ہوں
دشت کی پیاس بجھانے کے لیے

پھر کسی غم کا سہارا لیا ہے
اشک پلکوں پہ اٹھانے کے لیے

کتنے رشتوں کو کچل آیا میں
تیرے معیار تک آنے کے لیے

اُس نے پھر مجھ سے لہو مانگا ہے
دھول کو پھول بنانے کے لیے

شاذؔ اب رنگ کہاں سے لاؤں
تیری تصویر بنانے کے لیے

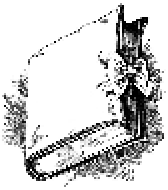

اب ترے پیار کی تشہیر مرے بس میں نہیں
ٹوٹ جاتی ہے یہ زنجیر مرے بس میں نہیں

رنگ بکھرے ہوئے ہر سمت نظر آتے ہیں
اب دھنک میں تری تصویر مرے بس میں نہیں

میں ہدف کو تو کہیں دور چھپا سکتا ہوں
جانتا ہوں کہ ترا تیر مرے بس میں نہیں

حکم تھا، خواب میں، صحرا کو میں سیراب کروں
خواب ایسا ہے کہ تعبیر مرے بس میں نہیں

اے محبت تری بنیاد نہیں رکھ پایا
یہ ہی افسوس ہے تعمیر مرے بس میں نہیں

شاذؔ کیسا ہے یہ شکوہ ترا دیوانے سے
جانتا تُو بھی ہے تقدیر مرے بس میں نہیں

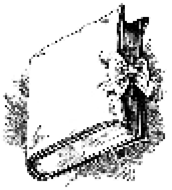

اپنی باہنوں میں سمٹ کر مجھے مر جانے دو
میری منزل ہے مرے پاس سفر جانے دو

اپنی سانسوں سے مجھے چُھو لو بکھر جانے دو
اور پھر میرے مقدر کو سنور جانے دو

میں نہیں پیار مرا ہار رہا ہے تم سے
میں تمہیں جیت بھی سکتا ہوں مگر جانے دو

آتے جاتے ہوئے لوگوں کا نہ رستہ روکو
گھر کی دیوار سے باہر نہ شجر جانے دو

وقت ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا کسی کی خاطر
یہ گزرتا ہے اسے یوں ہی گزر جانے دو

اتنی جلدی نہ کرو جسم علیحدہ مجھ سے
روح تک میری محبت کا اثر جانے دو

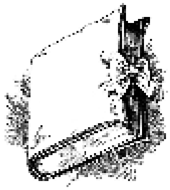

یوں مرا جسم مسمار کرنے لگا
آئنہ عکس پر وار کرنے لگا

اور پھر رک گئی گردشِ وقت بھی
عشق اپنی حدیں پار کرنے لگا

آخری سانس تھی زندگی کی مری
جب محبت کا اظہار کرنے لگا

مجھ میں جلتا ہوا اک دیا دفعتاً
رقص کرنے پہ اِصرار کرنے لگا

شاذؔ آنسو بچھا کر مری راہ میں
وہ سفر میرا دشوار کرنے لگا

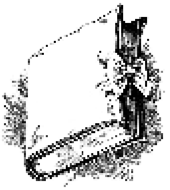

آج کے جیسا ترا کل ہو ضروری تو نہیں
دسترس میں تری ہر پل ہو ضروری تو نہیں

میں تو پاگل ہوا ہوں پیار میں اُس کے لیکن
وہ بھی میرے لیے پاگل ہو ضروری تو نہیں

اشک ان آنکھوں میں آتے ہیں تو جم جاتے ہیں
اِس سمندر میں بھی ہلچل ہو ضروری تو نہیں

پسِ پردہ کوئی مہتاب بھی ہو سکتا ہے
وہ ستاروں بھرا آنچل ہو ضروری تو نہیں

ایک دِن کھول دیا جائے گا پھر گِردوں کو
مستقل وقت مقفل ہو ضروری تو نہیں

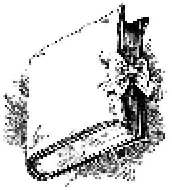

تعبیر کی شدید اذیت میں مر گیا
مرتا تھا خواب پر جو حقیقت میں مر گیا

دیمک سا کھا رہا تھا جدائی کا غم اُسے
چُپ چاپ دل کسی کی محبت میں مر گیا

اپنے وجود سے تھی شکایت اُسے بہت
وہ خود ہی اپنے آپ سے نفرت میں مر گیا

پھر عمر بھر نہ بات کسی سے بھی ہو سکی
یہ دل کسی سے ملنے کی حسرت میں مر گیا

اب میں ہوں شاذؔ اور گنہگار زندگی
جو مجھ میں تھا وہ کارِ عبادت میں مر گیا

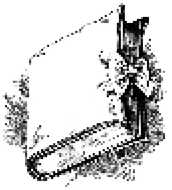

نگاہِ ہجر میں رنگِ ملال دیکھا ہے
پھر اپنی سانسوں میں رقصِ وصال دیکھا ہے

اُتر کے چاند میں وہ عکس مجھ سے کہتا ہے
کہیں پہ ایسا بھی حُسن و جمال دیکھا ہے

میں آگ اور وہ پانی کے بُت بناتا تھا
ہوس میں دستِ ہنر کا کمال دیکھا ہے

پھر آئینے میں ترا عکس ڈھونڈتے ہوئے شاذؔ
جنونِ عشق میں وحشت کا حال دیکھا ہے

وقتِ رخصت مرے ماتھے کو جو چُوما اُس نے
آج بھی لمس ہے روشن مری پیشانی پر

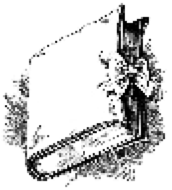

اگر قیامِ مسلسل میں وہ ستارا ہے
تو گردشوں سے بنا کیوں سفر ہمارا ہے

ہمیں تو ڈوبنا ہے ناخدا یہیں پہ سبھی
بھنور سے دور بہت دور جب کنارا ہے

دھڑک رہا ہے یہ دل رقص پر ہے آمادہ
لہو کے قطروں میں بے چین جیسے پارہ ہے

زمیں پہ چاند اُتارا انہیں کسی نے شاذؔ
جو تم کرو تو یہ اعزاز بس تمہارا ہے

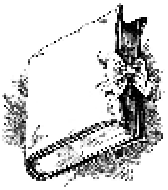

مرے ہم نَفَس مرے ہم زباں مرے مہرباں
رہے پیار یوں سدا درمیاں مرے مہرباں

ترے پیار کا مرے پیار سے ہے یہی گِلہ
مین نہ بن سکا ترا مہرباں مرے مہرباں

تجھے چھوڑ کر چلا جاؤں گا نہیں آؤں گا
یہی وسوسے رہے درمیاں مرے مہرباں

میں بکھر گیا تری راہ میں تری چاہ میں
تجھے مل سکا نہ مرا نشاں مرے مہرباں

تری آگ میں یہ سکون ہے کہ جنون ہے
تری دھوپ ہے مرا سائباں مرے مہرباں

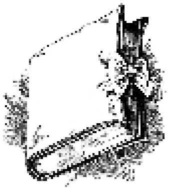

تھا شوق بہت مجھ کو رشتوں کی مسافت کا
ہے بوجھ مرے دل پر صدیوں کی مسافت کا

چلتے ہوئے سب راہی پیروں سے کُچلتے ہیں
احساس کسے ہو گا پھولوں کی مسافت کا

رستے ہیں یہاں سارے نفرت کے محبت کے
میں ایک مسافر ہوں جذبوں کی مسافت کا

اس جسم کے کمرے میں اک درد ٹھہرتا ہے
جب سلسلہ رکتا ہے اشکوں کی مسافت کا

سوچا ہے یہیں اِس کو اب روک دیا جائے
مقصد ہی نہیں کوئی سانسوں کی مسافت کا

اک درد کے صحرا میں گھر میں نے بسایا ہے
ہے شاذؔ یہی حاصل خوابوں کی مسافت کا

جو جہاں نہیں میرا اُس جہاں میں رہنا ہے
میں بھٹکتا پنچھی ہوں آسماں میں رہنا ہے

یوں لگا سمندر بھی جیسے اک مسافر ہو
اور اِس کو بے منزل کارواں میں رہنا ہے

دل کو خالی رکھا ہے اور سوچتا ہوں میں
کاش مجھ سے کہہ دے وہ اس مکاں میں رہنا ہے

مِٹ کے نقش ہونا ہے دوسروں کے ذہنوں پر
ہو کے بے نشاں مجھ کو ہر نشاں میں رہنا ہے

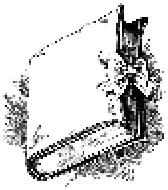

ایسا لگتا تھا کچھ خفا سا تھا
وہ ملا تو بجھا بجھا سا تھا

لے گیا مجھ سے چھین کر تعبیر
جو مرے خواب سے شناسا تھا

پھول کھِلنے سے ڈر رہا تھا اور
دشت کے لہجے میں دلاسا تھا

بھیک مجھ کو ملی ہے اشکوں کی
وقت کے ہاتھ میں بھی کاسہ تھا

جانتا ہوں میں درد صحرا کا
جب سمندر تھا شاذؔ پیاسا تھا

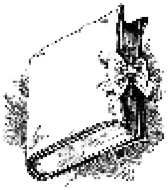

موت! راستہ تیرا مختصر نہیں ہوتا
جستجوئے منزل میں اب سفر نہیں ہوتا

ایک روشنی اُس کی رہنمائی کرتی ہے
جس پہ ماں کا سایہ ہو در بدر نہیں ہوتا

زندگی کی خاطر جو زندگی کو ہارا ہو
ایسا شخص کوئی بھی معتبر نہیں ہوتا

جب سے بس گئی تیری یاد میرے سینے میں
اب وہاں سے سانسوں کا بھی گزر نہیں ہوتا

بھر دوں گا زمانے میں اپنی روشنی سے نُور
ماہتاب کو شب کا کوئی ڈر نہیں ہوتا

اپنے دل کا دروازہ کھول کر میں بیٹھا ہوں
سب اِسی میں رہتے ہیں جن کا گھر نہیں ہوتا

قید کر لیا اُس نے اپنی سانس میں مجھ کو
شاذؔ اب میں خوشبو سا دربدر نہیں ہوتا

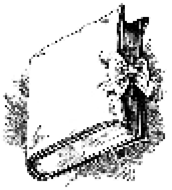

خوراک غم کو کرلیا جینے کے واسطے
آنسو بچا کے رکھ لیے پینے کے واسطے

گھائل ہوئی ہے زندگی پھولوں کے وار سے
چُنتا ہوں خار زخموں کو سینے کے واسطے

منزل اگر عروج پہ اُس نے بنائی ہے
پاؤں بھی تو بنائے ہیں زینے کے واسطے

زخموں کا تھا علاج مسافت کی دھول میں
یعنی سفر ضروری تھا جینے کے واسطے

مصروفِ عشق گر نہیں بیکار ہے یہ دل
اِک بحر لازمی ہے سفینے کے واسطے

جب کُچھ نہیں ملا تو وہاں بیج بو دیئے
کھودی تھی جو زمین خزینے کے واسطے

کس کو دکھائیں عشق کی خدمت کا ہم صلہ
تمغہ ملا ہے زخم کا سینے کے واسطے

آوارہ زندگی کے لیے اُس کا ساتھ شاذؔ
جیسے کوئی کنارہ سفینے کے واسطے

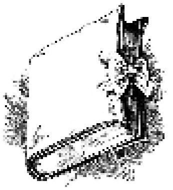

موم کی طرح پگھلتے مرے ساتھ
اور کُچھ دیر تو جلتے مرے ساتھ

لڑکھڑاتے ہوئے جھونکے نے کہا
تُم بھی موسم سا بدلتے مرے ساتھ

عشق کی راہ پہ چلنا مشکل
عشق کی راہ پہ چلتے مرے ساتھ

یہ تمنا ہے سسکتے دیئے کی
چاند سورج بھی تو ڈھلتے مرے ساتھ

چومتا ہاتھ اگر وہ میرے
شاذؔ پھر ساز مچلتے مرے ساتھ

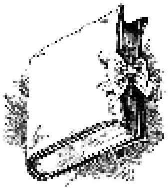

زخم نیا بھی دو تو کیا
ہم کو بُھلا بھی دو تو کیا

دریا پیاسا رہتا ہے
دشت پلا بھی دو تو کیا

قبر میں کب جاتی ہے لَو
دیپ جلا بھی دو تو کیا

ہنستے اچھے لگتے ہو
مجھ کو رلا بھی دو تو کیا

دل اک ضدی بچہ ہے
دل کو سزا بھی دو تو کیا

چلنے والے تو چلتے ہیں
بوجھ بڑھا بھی دو تو کیا

صحرا صحرا رہتا ہے
پھول کِھلا بھی دو تو کیا

لمس مجھے اِک نعمت ہے
زخم دکھا بھی دو تو کیا

راکھ تو یوں بھی راکھ ہی ہے
راکھ اُڑا بھی دو تو کیا

شاذؔ مجھے تو ہنسنا ہے
درد جگا بھی دو تو کیا

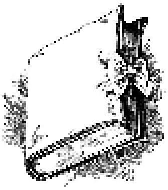

مجرم بنا دیا مرے حالات نے مجھے
سفاک کر کے رکھ دیا صدمات نے مجھے

پتھر سا ہو گیا تھا میں کچھ بھی نہ کہہ سکا
چُپ سی لگا دی تیرے سوالات نے مجھے

اب روح بھی بھٹکتی ہے تیری تلاش میں
دِن نے سکوں دیا ہے نہ ہی رات نے مجھے

احساس چھین لے گیا مجھ سے مری ہنسی
پتھر بنا دیا مرے جذبات نے مجھے

جی چاہتا ہے سانس سے بھی رشتہ توڑ دوں
وہ دکھ دیا ہے اب کے ملاقات نے مجھے

میں تھک گیا ہوں شاذؔ مگر کس سے یہ کہوں
بھٹکا دیا ہے گردشِ حالات نے مجھے

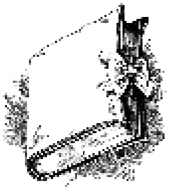

مرے لب پہ کوئی گِلہ نہیں میں خموش ہوں مجھے رہنے دو
جسے چاہا تھا وہ ملا نہیں میں خموش ہوں مجھے رہنے دو

وہ سوال اُس کا عجیب تھا یہ جواب میرا عجیب ہے
یہاں چاہتوں کا صِلہ نہیں میں خموش ہوں مجھے رہنے دو

مری زندگی کوئی آس ہے میں وہ باغ ہوں جو اُداس ہے
کوئی پھول مجھ میں کِھلا نہیں میں خموش ہوں مجھے رہنے دو

مری بے رخی پہ نہ جاؤ تم مرے زخم زخم میں خار ہیں
سو گلے میں تم سے ملا نہیں میں خموش ہوں مجھے رہنے دو

مرے شاذؔ اے مرے چارہ گر ترے دستِ چارہ گری سے بھی
کوئی زخم ہے جو چھلا نہیں میں خموش ہوں مجھ رہنے دو

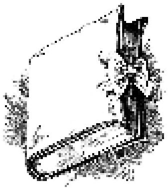

کربِ تنہائی میں سمٹی ہوئی چادر کی طرح
دشت بھی لگتا ہے مجھ کو مرے بستر کی طرح

نہ کوئی خواہشِ منزل نہ تلاشِ منزل
اُڑ رہا ہوں میں کسی ٹوٹے ہوئے پر کی طرح

اب کسی رت کا اثر اِن پہ نہیں ہوتا ہے
اب تو یہ لوگ مجھے لگتے ہیں پتھر کی طرح

قیدِ تنہائی سے مانوس ہوا ہوں اتنا
اب قفس بھی مجھے لگتا ہے مرے گھر کی طرح

حال یہ ہے کہ تری یاد کا صحرا اب تو
میری آنکھوں سے چھلکتا ہے سمندر کی طرح

اب کہیں جا کے ڈھلا ہے وہ مرے لفظوں میں
جو مری آنکھ میں ٹھہرا رہا منظر کی طرح

اب میں کس طرح سمیٹوں یہ بکھرتے ہوئے خواب
سانس آتی ہے مرے جسم میں صَرصَر کی طرح

اُس کے کاسے میں بجُز رنج کوئی چیز نہیں
اُس نے مانگی تھی محبت بھی گداگر کی طرح

اُس کو سجنے کی سنورنے کی ضرورت نہیں شاذؔ
اُس پہ جچتی ہے حیا بھی کسی زیور کی طرح

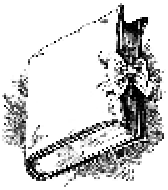

نئے انداز سے تعمیر مجھے ہونا ہے
اب ترے اشک میں تصویر مجھے ہونا ہے

کسی پاتال میں رکھا ہوا مہتاب ہوں میں
جانے کس آنکھ سے تسخیر مجھے ہونا ہے

میں کہانی ہوں اُجالوں کی مرا دکھ یہ ہے
رات کے ہاتھ سے تحریر مجھے ہونا ہے

کاسۂ خواب لئے دشت مرے در پر ہے
اور خیرات میں تعبیر مجھے ہونا ہے

پھر تعاقب میں تمہارے ہے ستارہ میرا
پھر کسی رات کا رہگیر مجھے ہونا ہے

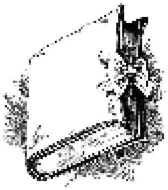

جانے کیسا ہوا اثر مجھ پر
جب سے ٹھہری تری نظر مجھ پر

جس کا سایہ سکون دیتا تھا
شعلہ زن ہے وہی شجر مجھ پر

منزلیں اب بدل گئیں تیری
ختم ہوتا تھا ہر سفر مجھ پر

داستاں مت بنائیے مجھ کو
تبصرہ کیجئے مختصر مجھ پر

جتنا چھپتا گیا سمندر میں
اُتنا کُھلنے لگا بھنور مجھ پر

جانے کیا حق جتانا چاہتا ہے
آسمان شاذؔ ٹوٹ کر مجھ پر

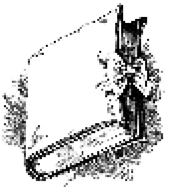

قیدِ موجود و میسر میں نہیں رہنے دیا
اُس نے مجھ کو مرے پیکر میں نہیں رہنے دیا

دل تو خالی ہے تری یاد سے بہلے کیسے
کوئی آسیب بھی تو گھر میں نہیں رہنے دیا

ایک احساسِ تحفظ ہے سفر میں مرے ساتھ
میرے سائے نے مجھے ڈر میں نہیں رہنے دیا

مجھ سے ناراض ہے ہر موج کچھ ایسے جیسے
چاند کو میں نے سمندر میں نہیں رہنے دیا

جاگ جائے نہ کوئی خوف مرے اندر بھی
اس لیے میں نے اِسے ڈر میں نہیں رہنے دیا

کرتا رہتا ہوں میں اکثر تری باتیں خود سے
میری عادت مجھے پاگل نہیں ہونے دیتی

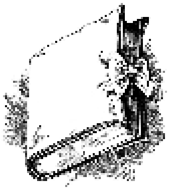

یوں وقت رک گیا کہ گزارا نہیں گیا
آنکھوں سے تیرے غم کا نظارا نہیں گیا

کیا بارِ توبہ تھا کہ سہارا نہیں گیا
فرعون سے خدا کو پکارا نہیں گیا

اُچھلیں بصد ارادہ فلک کی طرف مگر
موجوں سے ماہتاب اُتارا نہیں گیا

کیا شخص تھا کہ جس کو نہیں جیت پائے ہم
کیا شخص تھا کہ ہم سے جو ہارا نہیں گیا

اک ایک کر کے اُس نے بھریں سب کی جھولیاں
بس ایک میرا نام پکارا نہیں گیا

کیا جانیے کہ کیسی کشش اس گلی میں ہے
جو بھی جہاں سے آیا دوبارہ نہیں گیا

اس دشتِ جاں میں اشک کی بارش تھمی نہیں
پھر بھی یہ دشت ہم سے سنوارا نہیں گیا

جانا ہے اس جہان سے تنہا تمہیں بھی شاذؔ
سورج کے ساتھ کوئی ستارہ نہیں گیا

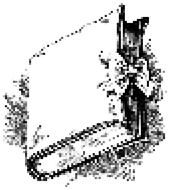

بے قرار آنکھ میں بے زار ہیں مرے آنسو
تیرے دامن کے طلب گار ہیں مرے آنسو

یا ترے نقش گریزاں ہیں مری آنکھوں سے
یا مری راہ میں دیوار ہیں مرے آنسو

اپنے آنچل پہ سجانے کو ستارے نہ سمجھ
آگ ہی آگ ہے انگار ہیں مرے آنسو

معجزہ ہے کہ بے بسی تیری
ہر مسیحا صلیب پر اُترا

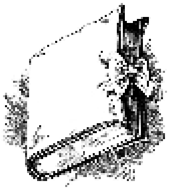

کسی چراغ کی لَو کی طرح بکھر گیا میں
پھر اس کے بعد تری روح میں اتر گیا میں

ہر ایک شے تھی بہت مختلف مرے آگے
عطا ہوئی جو بصارت مجھے تو ڈر گیا میں

یقیں ہوا مجھے تقدیر بھی کوئی شئے ہے
وہ یوں کہ ٹوٹتے تارے کے ساتھ مر گیا میں

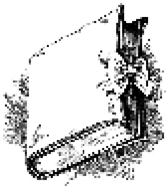

ہم سفر کے نشے میں رہنے دو
اب مجھے راستے میں رہنے دو

دور مت جاؤ میری آنکھوں سے
عکس کو آئنے میں رہنے دو

وہ مرے ساتھ ہے سو مجھ کو ابھی
وقت کے دائرے میں رہنے دو

قُرب آخر جدائی دیتا ہے
پس مجھے فاصلے میں رہنے دو

دشت کو آنکھ میں چُھپا کر شاذ
پیاس کو مخمصے میں رہنے دو

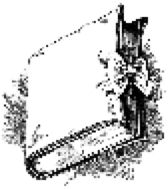

ہوتی نہیں آنکھوں سے بھی برسات سفر میں
اک دشتِ تمنا ہے مرے ساتھ سفر میں

اک کربِ مسلسل کی اذیت کو چُھپا کر
میں خود سے بچھڑنے لگا ہر رات سفر میں

یہ کاسۂ دل تیری محبت سے بھرا ہے
کیا کوئی کرے گا مجھے خیرات سفر میں

تُو ساتھ مرے ہو کہ نہ ہو مجھ کو خبر ہے
افسوس ہی آنا ہے مرے ہاتھ سفر میں

پھر وہ بھی سرِ راہ پلٹ آیا مرے پاس
جب ٹُوٹ کے بکھری تھی مری ذات سفر میں

تو اگر روٹھ بھی جائے تو منا سکتا ہوں
میں کسی اور کو اس طرح مناؤں کیسے

ختم شد